تخلیق کائنات حق کے لئے ہوئی ہے

(جمعہ فرمودہ ۵/ اکتوبر ۱۹۸۴ء بمقام مسجد فضل لندن)

تشہد وتعوذ اور سورۂ فاتحہ کی تلاوت کے بعد حضور نے درج ذیل آیات کی تلاوت فرمائی:

خَلَقَ اللّٰهُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ بِالْحَقِّ ؕ اِنَّ فِیْ ذٰلِكَ لَاٰیَةً لِّلْمُؤْمِنِیْنَ ﴿۴۵﴾ اُتْلُ مَاۤ اُوْحِیَ اِلَیْكَ مِنَ الْكِتٰبِ وَاَقِمِ الصَّلٰوةَ ؕ اِنَّ الصَّلٰوةَ تَنْهٰى عَنِ الْفَحْشَآءِ وَالْمُنْكَرِ ؕ وَلَذِكْرُ اللّٰهِ اَكْبَرُ ؕ وَاللّٰهُ یَعْلَمُ مَا تَصْنَعُوْنَ ﴿۴۶﴾ وَلَا تُجَادِلُوْۤا اَهْلَ الْكِتٰبِ اِلَّا بِالَّتِیْ هِیَ اَحْسَنُ ۖۗ اِلَّا الَّذِیْنَ ظَلَمُوْا مِنْهُمْ وَقُوْلُوْۤا اٰمَنَّا بِالَّذِیْۤ اُنْزِلَ اِلَیْنَا وَاُنْزِلَ اِلَیْكُمْ وَاِلٰهُنَا وَاِلٰهُكُمْ وَاحِدٌ وَّنَحْنُ لَهٗ مُسْلِمُوْنَ ﴿۴۷﴾ (العنکبوت: ۴۵-۴۷)

پھر فرمایا:

قرآن کریم کی جو یہ آیات میں نے تلاوت کی ہیں ان میں سب سے پہلے اس امر کا ذکر ہے کہ اللہ تعالیٰ نے آسمانوں کو اور زمین کو حق کے ساتھ بنایا ہے اِنَّ فِیْ ذٰلِكَ لَاٰیَةً لِّلْمُؤْمِنِیْنَ ﴿۴۵﴾ اس بات میں ایک بہت بڑا نشان ہے مومنوں کے لئے۔ اس امر پر غور کرتے ہوئے کہ کیوں اللہ تعالیٰ نے بعض جگہ آیات کا ذکر فرمایا ہے اور بعض جگہ آیت کا ذکر فرمایا ہے میری توجہ اس طرف مبذول ہوئی کہ جہاں اٰیَۃً کا ذکر فرمایا گیا ہے وہاں کوئی بہت ہی بڑا حکمت کا راز پوشیدہ ہے جس کی طرف

اشارہ کیا جارہا ہے۔ آیات کے مقابل پر بظاہر آیت ایک چھوٹا لفظ ہے یعنی ایک آیت ایک نشان لیکن جب اسے نکرہ میں بیان کیا جائے ایةً تو مراد یہ ہوتی ہے کہ ایک بہت ہی عظیم الشان نشان ہے۔

چنانچہ جہاں شہد کی صفات کا ذکر فرمایا فِيهِ شِفَآءٌ لِّلنَّاسِ وہاں بھی فرمایا اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيَةً لِّقَوْمٍ يَّتَفَكَّرُوْنَ (النحل: ۷۰) اور جہاں بنی نوع انسان کے فوائد کا اس سے پہلے انعام یعنی چوپاؤں کے ساتھ ہونے کا ذکر فرمایا اور جہاں پھلوں کا ذکر فرمایا یہی دو انسانی غذا اور اس کی بقا کا موجب ہیں یعنی چوپائے اور زمین جو پھل اگاتی ہیں ان پر بنیاد ہے انسانی زندگی کی اور وہاں بھی آیات کے بجائے حالانکہ بہت سی چیزوں کا ذکر ہے ،وہاں آیات کے بجائے ایةً کا لفظ فرمایا اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيَةً لِّقَوْمٍ يَّعْقِلُوْنَ ﴿۶۸﴾ (النحل: ۶۸) اس میں ایک نشان ہے ان لوگوں کے لئے جو عقل کرتے ہیں۔ تو بظاہر ا یةً ہے لیکن جن لوگوں کے لئے نشان ہے وہاں فرمایا لِّقَوْمٍ يَّعْقِلُوْنَ اور دوسری جگہ فرمایا لِّقَوْمٍ يَّتَفَكَّرُوْنَ کہ بظاہر ایک نشان ہے لیکن قومیں اس پر غور کرتی چلی جائیں اور اپنی عقلیں دوڑاتی چلی جائیں لیکن اس نشان کی ماہیت کو پوری طرح پا نہیں سکیں گی۔ یعقلو ن میں ایک جاری مضمون ہے کہ وہ نشان جو ہے چلتا چلا جاتا ہے اور عقلیں اسکے اوپر آزمائش کرتی چلی جاتی ہیں اور پھر بھی اس نشان کی کنہ کو یا حقیقت کو پوری طرح پا نہیں سکتیں۔ اسی طرح لِّقَوْمٍ يَّتَفَكَّرُوْنَ کہہ کے یہ فرمایا ایک پوری قوم فکر میں مبتلا ہو جائے ،غور و فکر کرے ،تدبر کرے تب بھی اس نشان کی ماہیت کو پوری طرح اخذ کرنے کی اہل نہیں ہوسکتی۔ تو یہاں جو فرمایا خَلَقَ اللّٰهُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ بِالْحَقِّ یہاں تو ساری کائنات کی پیدائش کا ذکر فرما دیا ہے اور اس کثرت سے نشانات ہیں اس میں کہ جو گنے نہیں جاسکتے۔ چنانچہ قرآن کریم ان نشانات کا ذکر کلمہ کے طور پر کرتا ہے اور فرماتا ہے کہ اگر:

لَّوْ كَانَ الْبَحْرُ مِدَادًا لِّكَلِمٰتِ رَبِّيْ لَنَفِدَ الْبَحْرُ قَبْلَ اَنْ تَنْفَدَ كَلِمٰتُ رَبِّيْ وَلَوْ جِئْنَا بِمِثْلِهٖ مَدَدًا ﴿۱۱۰﴾ (الکہف: ۱۱۰)

کہ ہمارے نشانات تو اس کثرت سے ہیں کہ اگر سمندر سیاہی بن جائیں اور ان نشانات کو لکھتے لکھتے وہ خشک ہو جائیں اور پھر اور سمندر ہم لے آئیں ان کی مدد کی خاطر تب بھی وہ سمندر سوکھ جائیں گے اور نشانات ختم نہیں ہوں گے اور خَلَقَ اللّٰهُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ بِالْحَقِّ

میں تو صرف ظاہری زمین وآسمان مراد نہیں بلکہ روحانی اور باطنی زمین وآسمان بھی مراد ہیں۔

جب انبیاء آتے ہیں تو نئے آسمان پیدا کئے جاتے ہیں، نئی زمینیں ان کو عطا کی جاتی ہیں اور تمام قرآن کریم کے مطالعہ سے پتہ چلتا ہے کہ یہی مضمون ایک جس طرح متوازی خطوط چل رہے ہیں جس طرح صرف ظاہری تخلیق پر ہی حاوی نہیں بلکہ روحانی تخلیق پر بھی حاوی ہے۔ تو زمین وآسمان کی تخلیق میں جو لا انتہا نشانات ہیں اسی طرح روحانی دنیا کی تخلیق میں بھی لا انتہا نشانات ہیں اور ان دونوں کو اکٹھا کر کے ایک ہی نشان کے طور پر پیش کر کے فرمایا اِنَّ فِیْ ذٰلِكَ لَاٰیَةً لِّلْمُؤْمِنِیْنَ ﴿۴۵﴾ اس میں مومنوں کے لئے ایک نشان ہے۔ تو مراد یہ نہیں ہے کہ ان سارے نشانات کا احاطہ کیا جارہا ہے یا ان کی فہرست گنائی جانی مقصود ہے۔ مراد یہ ہے کہ اگر تم مومن ہو اور اس بات پر غور کرو کہ حق کے ساتھ پیدا کیا ہے تو تمہیں اس میں حکمت اور فلسفے کا ایک عظیم الشان راز ملے گا۔ ایک ایسا قیمتی راز تمہیں اس سے ملے گا کہ تمہارے سارے مسائل اس راز کو سمجھنے کے نتیجہ میں دور ہو سکتے ہیں تو تمہارے لئے ایک بہت بڑا فائدہ کی چیز ہے یہاں یہ مراد ہے ان امور پر غور کرنا تمہارے لئے ایک بہت ہی عظیم الشان فائدہ رکھتا ہے، بہت ہی عظیم الشان راز ہے جو تمہاری مشکلات کو حل کر دے گا اور اس کے بعد فرماتا ہے اُتْلُ مَآ اُوْحِیَ اِلَیْكَ مِنَ الْكِتٰبِ وَاَقِمِ الصَّلٰوةَ ؕ تجھ پر جو کچھ وحی کی گئی ہے اس کو پڑھتا رہ، اس کی تلاوت کر اور اس پر غور کر وَاَقِمِ الصَّلٰوةَ ؕ اور نماز کو قائم کر۔ اِنَّ الصَّلٰوةَ تَنْھٰی عَنِ الْفَحْشَآءِ وَالْمُنْكَرِ ؕ وَلَذِكْرُ اللّٰهِ اَكْبَرُ ؕ اور نماز فحشا سے منع کرتی ہے اور ناپسندیدہ باتوں سے منع کرتی ہے وَلَذِكْرُ اللّٰهِ اَكْبَرُ ؕ اور اللہ کا ذکر اس سے بڑا ہے وَاللّٰهُ یَعْلَمُ مَا تَصْنَعُوْنَ ﴿۴۶﴾ اور اللہ تعالیٰ جانتا ہے جو تم کرتے ہو۔

اب اس کا بظاہر پہلے مضمون سے کوئی تعلق نہیں۔ کہاں یہ بات کہ زمین وآسمان کو خدا تعالیٰ نے پیدا کیا حق کے ساتھ اور اس میں ایک نشان ہے تمہارے لئے اور کہا اُتْلُ مَآ اُوْحِیَ اِلَیْكَ مِنَ الْكِتٰبِ وَاَقِمِ الصَّلٰوةَ ؕ لیکن جب آپ اس مضمون کو سمجھیں کہ تخلیق السمٰوٰت والارض سے اصل مراد اول مراد روحانی کتاب میں روحانی تخلیق ہوا کرتی ہے اور جب حق کے مضمون پر آپ غور کریں تو پھر آپ کو اس کا ایک گہرا تعلق سمجھ آجائے گا۔

امر واقعہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کا اپنا نام حق ہے اور قرآن کریم اللہ تعالیٰ کو حق کے طور پر پیش کرتا ہے اور اس موقع پر حق کی نفی فرما دیتا ہے۔ هُوَ الْحَقُّ ، اللہ ہی ہے جو حق ہے اس کے سوا کوئی چیز حق نہیں اور آنحضرت ﷺ کو بھی حق فرمایا گیا قرآن کریم میں اور قرآن کریم کو بھی حق فرمایا گیا اور یوم آخرت کو بھی حق فرمایا گیا تو اللہ تعالیٰ اس طرف متوجہ فرمانا چاہتا ہے کہ تم کائنات کا راز سمجھنا چاہتے ہو تو اس بات کو سمجھ لو کہ اس کا آغاز بھی حق ہے اور اس کا انجام بھی حق ہے یعنی سچائی کے ساتھ پیدا کیا ہے ایک سچے کی طرف سے روح نازل ہوا ہے، ایک سچی روح پر نازل ہوا ہے، ایک سچی کتاب میں اسکی تفصیل بیان فرمائی گئی ہے اور تمہیں اس انجام تک پہنچائے گا جسے یوم الحق کہا جاتا ہے۔ ذٰلِكَ الْيَوْمُ الْحَقُّ (النبأ: ۴۰) جس طرح سورۃ النبأ میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے یعنی وہ آخرت کا دن جس دن حساب کتاب ہوگا۔ اگر تم اس بات پر غور کرو تو پھر تمہیں ایک بہت بڑی حقیقت معلوم ہو جائے گی جس میں تمہاری بقا کا راز بھی ہے اور فنا سے بچنے کے دلائل بھی ہیں۔ تم حق سے اپنا تعلق جوڑ لو تو یہ زمین و آسمان تمہارے ہو جائیں گے۔ تم حق کے ہو جاؤ تو ساری کائنات کی چابیاں تمہارے ہاتھوں میں پکڑائی جائیں گی کیونکہ اول سے آخر تک تخلیق کا مقصد ہی حق کی پیدائش ہے، حق نے پیدا کیا، حق بات کی خاطر پیدا کیا، حق طریق پر پیدا کیا، حق وجود پر نازل کیا گیا حقیقت آسمانی اور زمینی کو اور بالآخر اس کا انجام بھی حق پر جا کر ختم ہوگا۔

حق کیا ہے؟ اس کی مزید تفصیل پر آپ غور کریں تو ایک بہت بڑا مضمون قرآن کریم میں بکثرت آیات میں حق کے اوپر پھیلا ہوا ہے بحث فرمائی گئی ہے اور بتایا گیا ہے کہ حق کیا چیز ہے اور کس طرح حاصل کیا جاسکتا ہے؟ لیکن صرف مختصراً اس وقت اس کا ایک عرف عام کا جو معنی ہے یعنی سچائی اس کی طرف میں متوجہ کرتا ہوں۔

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے سچائی کو اختیار کرلو اور سچائی کو پکڑ کر بیٹھ جاؤ اور کسی حال میں بھی سچائی سے الگ نہیں ہونا۔ اگر تم سچے ہو جاؤ گے تو زمین و آسمان کی پیدائش کے مقاصد میں سے ایک مقصد بن جاؤ گے اور اللہ تعالیٰ مقاصد کو ضائع نہیں کیا کرتا اور مقاصد کی حفاظت فرماتا ہے اور ہر اس طاقت کو توڑ دیتا ہے جو مقاصد کے اوپر حملہ کرتی ہے اور تمہارے لئے ایک ہی طریق ہے فتحیاب ہونے کا اور ہمیشہ کی زندگی پانے کا کہ تم حق بن جاؤ اور حق کو اختیار کرلو اور اس کا طریق کیا

ہے؟ اس کا طریق آگے بیان ہوا اُتْلُ مَآ اُوْحِيَ اِلَيْكَ مِنَ الْكِتٰبِ وَاَقِمِ الصَّلٰوةَ اگر تم حق بننا چاہتے ہو تو اے محمد ﷺ انہیں یہ نمونہ دکھا اس چیز کی بکثرت تلاوت کر جو تجھ پر نازل کی گئی ہے اور قرآن کریم پر غور کرتا رہ اور اسکے مطالب کو سمجھ پھر تجھے حق کی حقیقت معلوم ہوگی اور وہ طریق معلوم ہوں گے جن سے انسان حق کی طرف حرکت کرتا ہے۔ وَاَقِمِ الصَّلٰوةَ اور اس کے لئے ایک بہت بڑا ذریعہ عبادت ہے۔ اگر خدا کی عبادت کرو گے تو خدا کی طرف تمہارا سفر شروع ہو جائے گا اور بالآخر عبادت تمہیں حق تک پہنچا دے گی اور حق تک پہنچنے کے رستے میں جو روکیں ہیں وہ بھی عبادت کے ذریعہ دور ہونگی۔ اِنَّ الصَّلٰوةَ تَنْهٰى عَنِ الْفَحْشَآءِ وَالْمُنْكَرِ فحشا اور ناپسندیدہ امور اور ظالمانہ طریق یہ وہ ساری چیزیں ہیں جو حق تک پہنچنے سے روک دیتی ہیں۔ جن کا جھوٹ سے تعلق ہے، باطل سے تعلق ہے۔ فرمایا دو باتیں ہوں گی اقامۃ الصلوۃ کے ذریعہ تم اللہ تعالیٰ تک پہنچو گے اور یہی عبادت تمہارے رستے کی روکیں بھی دور کرے گی اور تمہارے نفس کے اندر جو کجی ہے جو تمہیں حق تک پہنچنے سے روکتی ہے اس کو بھی یہ سیدھا کرتی چلی جائے گی وَلَذِكْرُ اللّٰهِ اَكْبَرُ اور اللہ کی یاد سب سے بڑی ہے۔

بعض صوفیا اس آیت کا یہ غلط مفہوم لیتے ہیں۔ نہ وہ پہلی آیت کا مفہوم سمجھتے ہیں اور نہ اس آیت کا اور بالآخر اس آیت میں جو ارتقا پیش کیا گیا ہے اسکو نہ سمجھنے کے نتیجہ میں ان کی طرف سے ایک خلاف اسلام طریق اختیار کر لیا گیا ہے۔ وہ صوفیا یہ کہتے ہیں کہ نماز کا مقصد کیا ہے برائیوں سے روکنا اور منکر سے روکنا۔ لیکن ذکر اللہ نہیں ہے یہ اصل میں، ذکر اللہ اسکے علاوہ ہے اور ہم جو ذکر کرتے ہیں یہ عبادت سے افضل ہے کیونکہ وہ کہتے ہیں کہ قرآن کریم فرماتا ہے وَلَذِكْرُ اللّٰهِ اَكْبَرُ اسے نماز کے علاوہ پیش کیا گیا ہے۔ پہلے عبادت کا مضمون بیان ہوا اسکی پہنچ بتادی گئی کہاں تک ہے؟ عبادت تو بس اتنا کام کرے گی کہ فحشا اور منکر سے روک دے گی لیکن اصل عظیم الشان جو طریق ہے اللہ تعالیٰ کو پانے کا وہ ذکر ہے۔ چنانچہ وہ نئے نئے ذکر ایجاد کرتے رہتے ہیں اور نماز سے زیادہ ایک الگ ذکر بنا کر اسکو اہمیت دیتے ہیں حالانکہ ہرگز یہ مراد نہیں ہے۔ یہ تو ایک سفر بتایا جا رہا ہے کس طرح تم حق کی طرف سفر شروع کرو گے اور نماز ہی کی یہ صفت بیان ہوئی ہے وَلَذِكْرُ اللّٰهِ اَكْبَرُ کہ عبادت کے ذریعہ صرف تمہیں منفی پہلوؤں سے نجات نہیں ملے گی بلکہ ایک عظیم الشان کامیابی تک پہنچ جاؤ گے

کیونکہ نماز تمہیں اللہ کی یاد عطا کرے گی اور یہ اس کا سب سے بڑا فائدہ ہے۔ وَلَذِكْرُ اللّٰهِ أَكْبَرُ کا مطلب یہ ہے کہ فحشا سے روکنا نماز کا یہ بھی ایک فائدہ ہے، منکر سے روکنا یہ بھی ایک فائدہ ہے لیکن یہ فوائد منفی نوعیت کے ہیں۔ منفی ضرر سے تمہیں بچانے والے لیکن یہ یاد رکھو اصل فائدہ نماز کا خدا تک پہنچانا ہے، اس کی یاد تمہارے دلوں میں پیدا کرنا ہے اس لئے وہی عبادت برحق ہے اور آخر تک پہنچانے والی ہے جو ذکر اللہ پر مشتمل ہو اور اسکی عظمت سے غافل نہ ہونا نماز کے وقت اگر تمہاری نماز ذکر اللہ سے غافل رہے اللہ کی یاد میں تمہیں مبتلا نہ کرے تو اصل اور اعلیٰ مقصد سے تم محروم رہ جاؤ گے۔ وَاللّٰهُ يَعْلَمُ مَا تَصْنَعُوْنَ اور اللہ جانتا ہے جو تم کرتے ہو۔

اس کے بعد خدا تعالیٰ نے پھر اس مضمون میں ایک نئی کروٹ پیدا کی۔ عجیب کتاب ہے یہ اور ہر آیت بعض اوقات یوں رنگ بدلتی ہے جیسے کہ قرآن کریم فرماتا ہے كُلَّ يَوْمٍ هُوَ فِيْ شَأْنٍ (الرحمٰن: ۳۰) ہر وقت وہ ایک نئی شان کے ساتھ جلوہ گر ہو رہا ہے اور بوریت نہیں ہونے دیتی۔ یکسانیت کے نتیجہ میں جو نیند آ جاتی ہے اس کا خود علاج کرتی چلی جاتی ہے۔ ربط مضمون بھی قائم رہتا ہے اور مضمون کی شکل بھی بدلتی رہتی ہے۔ اب آپ نے دیکھا کہ پہلی آیت بظاہر اور مضمون سے شروع ہوئی تھی دوسری آیت اور مضمون بیان کر رہی ہے لیکن فی الحقیقت ایک ہی مضمون ہے جس میں رنگ بدلا گیا ہے اور یہاں بھی آگے وہی مضمون جاری وساری ہے لیکن ایک اور طریق پر فرمایا:

وَلَا تُجَادِلُوْٓا اَهْلَ الْكِتٰبِ اِلَّا بِالَّتِيْ هِيَ اَحْسَنُ کہ جب تم اپنے نفس کی تربیت کر لو اور اللہ کی یاد کے نتیجہ میں تم خدائی صفات اپنے اوپر وارد کر لو تو یہ زندگی کا آخری مقصد نہیں ہے۔ انفرادی تربیت کے بعد اسلام خاموش نہیں ہو جاتا بلکہ بعض قومی ذمہ داریوں کی طرف تمہیں توجہ دلاتا ہے۔ اگر تم احسن رنگ میں رنگین ہو گئے ہو اور دوسروں کو اس رنگ کی طرف نہیں بلاتے تو تم اپنے مقصد میں ناکام ہو۔

Creation سے بات شروع ہوئی تھی یعنی تخلیق سے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے ہم نے تمہیں تخلیق کے ڈھنگ سکھا دیئے ہیں، اب تخلیق کرو۔ زمین و آسمان کی پیدائش کا مقصد یہ تھا کہ تمہیں پیدا کیا جائے احسن الخلق کے طور پر اور پھر تمہیں احسن الخلق کے اطوار سکھائے گئے۔ اب جس طرح خدا نے تمہیں حسن عطا کیا ہے اس طرح آگے اس حسن کو پھیلاؤ اور تم بھی روحانی تخلیق میں مصروف ہو جاؤ

لیکن اس دوران وَلَا تُجَادِلُوْٓا اَهْلَ الْكِتٰبِ اِلَّا بِالَّتِیْ هِیَ اَحْسَنُ احسن طریق پر یہ کام کرنا۔ مجادلہ جو قرآن کریم میں آتا ہے بار بار اس کا ذکر یہ تبلیغ کے معنوں میں آتا ہے۔ اس سے مراد تلوار کا جہاد نہیں ہے بلکہ جہاں جہاں تبلیغ کے مضمون کا ذکر ہے وہاں لفظ مجادلہ استعمال ہوا ہے۔ وَجَادِلْهُمْ بِالَّتِیْ هِیَ اَحْسَنُ (النحل:۱۲۶) جس طرح فرمایا وہاں بھی تبلیغ ہی کا مضمون ہے فرماتا ہے۔ وَلَا تُجَادِلُوْٓا اَهْلَ الْكِتٰبِ اِلَّا بِالَّتِیْ هِیَ اَحْسَنُ وہی مضمون ہے دوسرے رنگ میں پیش فرمایا گیا ہے کہ تم ہرگز اہل کتاب سے مجادلہ نہ کرو ان کو تبلیغ نہ کرو مگر نہایت احسن رنگ میں اِلَّا الَّذِیْنَ ظَلَمُوْا مِنْهُمْ سوائے ان لوگوں کے جو ان میں سے ظلم کرتے ہیں۔

وَقُوْلُوْٓا اٰمَنَّا بِالَّذِیْٓ اُنْزِلَ اِلَیْنَا وَاُنْزِلَ اِلَیْكُمْ وَاِلٰهُنَا وَاِلٰهُكُمْ وَاحِدٌ وَّنَحْنُ لَهٗ مُسْلِمُوْنَ ﴿۴۷﴾

اب سوال یہ ہے کہ اِلَّا الَّذِیْنَ ظَلَمُوْا کا کیا مطلب ہے؟ وہ لوگ جو ان میں سے ظلم کرتے ہیں ان کو احسن رنگ میں تبلیغ نہ کرو۔ کیا یہ معنی ہے؟ تبلیغ تو بہرحال احسن رنگ میں ہوگی لیکن اِلَّا الَّذِیْنَ ظَلَمُوْا کے نتیجہ میں وہ کیا استثنا فرمایا گیا ہے ان سے کیا طریق کار اختیار کرو؟ اس کو قرآن کریم میں اللہ تعالیٰ ایک دوسری جگہ بیان فرماتا ہے:

لَا یُحِبُّ اللّٰهُ الْجَهْرَ بِالسُّوْٓءِ مِنَ الْقَوْلِ اِلَّا مَنْ ظُلِمَ ؕ وَكَانَ اللّٰهُ سَمِیْعًا عَلِیْمًا ﴿۱۴۹﴾ اِنْ تُبْدُوْا خَیْرًا اَوْ تُخْفُوْهُ اَوْ تَعْفُوْا عَنْ سُوْٓءٍ فَاِنَّ اللّٰهَ كَانَ عَفُوًّا قَدِیْرًا ﴿۱۵۰﴾ (النساء:۱۴۹-۱۵۰)

فرماتا ہے لَا یُحِبُّ اللّٰهُ الْجَهْرَ بِالسُّوْٓءِ مِنَ الْقَوْلِ اِلَّا مَنْ ظُلِمَ کہ جب تم تبلیغ کرو گے تو تمہاری دل آزاری کی جائے گی اور نہایت گندے بول تمہارے اوپر بولے جائیں گے اور ہوسکتا ہے کہ نہایت ہی دل آزار باتیں تمہارے ایسے پیاروں کے متعلق کہی جائیں جن کو تم برداشت نہ کرسکو۔ ایسے موقع پر کیا ہدایت ہے؟ لَا یُحِبُّ اللّٰهُ الْجَهْرَ بِالسُّوْٓءِ یہ یاد رکھو کہ اللہ تعالیٰ اونچی آواز میں بدکلام کو پسند نہیں کرتا اِلَّا مَنْ ظُلِمَ سوائے اس کے کہ ایک مظلوم کے منہ سے بے اختیار کوئی کلمہ نکل جائے یعنی پسند اس کو بھی نہیں کرتا۔ لَا یُحِبُّ اللّٰهُ الْجَهْرَ بِالسُّوْٓءِ ایک عام قانون ہے کہ فحش کلامی، دل آزاری، لوگوں کو زبان کے ذریعہ دکھ پہنچانا اور پھر ان باتوں کی

تشہیر اور سرعام بازاروں میں گندگیاں بکنا اور جلسوں اور جلوسوں میں گالی گلوچ سے کام لینا، اللہ تعالیٰ فرماتا۔ لَا يُحِبُّ اللّٰهُ الْجَهْرَ بِالسُّوْٓءِ اگر تمہارے دل میں کسی چیز کی نفرت ہے تو دل میں رکھو لیکن اس کا اظہار اس طرح کرنا کہ دل آزاری کا موجب ہو اور تکلیف پھیل جائے سُوْٓءِ کا مطلب ہے، عام گلیوں میں بازاروں میں اور تمہارے معاشرہ میں عام ہو جائے تکلیف اور تم باز نہ آؤ تکلیف پہنچانے سے اللہ تعالیٰ اس کو پسند نہیں فرماتا۔ اِلَّا مَنْ ظُلِمَ ؕ ہاں اتفاقاً کسی کے منہ سے بے اختیاری میں بات نکل جائے جب کہ وہ خود مظلوم ہو اور لوگ اس کے پیچھے ہی پڑ گئے ہوں۔

چنانچہ چند دن ہوئے ایک ہمارے دوست نے لکھا کہ میں بڑا سخت شرمندہ ہوں اور بڑا سخت استغفار کر رہا ہوں۔ ایک صاحب میرے پیچھے اتنا پڑ گئے ایک مجلس میں اس قدر گالیاں دیں انہوں نے حضرت مسیح موعود علیہ السلام کو اس وقت پھر آخر مجھ سے صبر نہ ہو سکا اور میں نے بھی اس سے سختی کی اور جب میں نے سختی کی تو پھر اس کو سمجھ آئی کہ یہ کیا باتیں ہوتی ہیں تو اس نے معافی کا خط لکھا اور دعا کا کہ اللہ تعالیٰ معاف بھی کرے اور میرے لئے دعا کریں کہ خدا تعالیٰ آئندہ مجھے صبر کی توفیق بخشے۔ تو صبر بہر حال بہت بہتر ہے لیکن اگر ظلم انتہا کو پہنچ جائے اور بے اختیاری میں کوئی کلمہ سختی کا منہ سے نکل جائے تو اللہ تعالیٰ اس کو مستثنیٰ قرار دیتا ہے اس لئے بعض انبیاءؑ نے بعض دفعہ سختی کی ہے ایک جواب میں اور اِلّا میں وہ بھی شامل ہیں مثلاً حضرت مسیح علیہ السلام جن کے متعلق عام جو تصویر بنتی ہے وہ نہایت نرمی کی ہے۔ ایک گال پر تھپڑ مارے تو دوسری گال بھی پیش کر دو۔ تمہارا فرغل اتارے تو تم قمیص بھی اتار کر پیش کر دو ایسی تعلیم ہے لیکن بعض جگہ ایسی سختی کی ہے جواب میں کہ آدمی حیران رہ جاتا ہے اور اسی قسم کے بعض مواقع ہیں جن میں دشمن کو سمجھانے کے لئے۔ خصوصاً ان عیسائیوں کو جواب میں جو آنحضرت ﷺ کے خلاف زبان درازی کرنے لگے حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام سے بھی برداشت نہیں ہوا۔ آپؑ نے چند کلمات سختی کے ان کے لئے استعمال کئے اور آج تک خود مسلمان بھی پیچھا نہیں چھوڑ رہے حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کا کہ ان عیسائیوں پر جو رسول اللہ ﷺ پر اس قدر گند اچھال رہے تھے تم نے سختی کیوں کی؟

ان کو پتہ ہونا چاہئے کہ قرآن کریم فرماتا ہے۔ اِلَّا مَنْ ظُلِمَ ؕ اور ظلم کا جو معیار ہے وہ

الگ الگ ہے ہر ایک کے لئے۔ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے لئے ظلم کا جو معیار ہے وہ نہیں تھا جو عام آدمیوں کا ہوتا ہے۔ آپؑ کے متعلق یہ آتا ہے کہ ایک صاحب آئے باہر سے اور نماز کے بعد جب آپؑ تشریف فرما تھے تو نہایت گندی گالیاں دینی شروع کر دیں اور جب وہ گالیاں دیتے دیتے تھک گیا تو حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے مسکرا کر فرمایا کہ کچھ اور فرمایئے۔ چنانچہ پھر اس نے بدکلامی شروع کی کہ میں جانتا ہوں تمہارے جیسے دھوکے باز کو دجال کو، یہ چالاکیاں کسی اور سے کرو، یہ میرے ساتھ نہیں چلیں گی۔ اس قسم کی باتیں کرتے اور گالیاں دیتے اور جب وہ تھک گیا تو حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام پھر مسکراتے ہوئے فرمایا اگر کچھ اور کہنا ہے تو کہہ لو۔ یہاں تک کہ وہ اس حال میں واپس گیا۔ اس نے اعلان کیا جاتے جاتے میں نے بہت دنیا میں سفر کئے ہیں اور بہت لوگ دیکھے ہیں مگر ایسا صبر اور حوصلے والا انسان میری زندگی میں کبھی میرے سامنے نہیں آیا۔ اپنے بارہ میں صبر کا یہ حال ہے اور جب لیکھرام نے حضور اکرم ﷺ کے متعلق بد زبانی کی تو آپؑ سے برداشت نہیں ہوا۔ جب عیسائیوں نے آنحضرت ﷺ کے متعلق شدید بدزبانی کی تو بعض جگہ آپؑ کو سختی کے کلمات کہنے پڑے لیکن یہ بالعموم نہیں تھا بھاری اکثریت آپؑ کے خطابات کی ان ظالموں سے بھی نرمی کی تھی، سمجھانے کی ہے اور بے اختیاری ہے جہاں بھی منہ سے کوئی کلمہ نکلا ہے۔

تو احمدیوں کو بھی صبر کو اس مقام تک پہنچانا چاہئے۔ یہ بہانہ نہیں بنانا چاہئے کہ اِلَّا مَنۡ ظُلِمَ ؕ کے نتیجہ میں اب ان کو زبان کھولنے کی اجازت مل گئی ہے۔ زبان کھولنے کی کہاں تک اجازت ملی ہے کن حالات میں ملی ہے اسکو تو ہم سنت سے ہی اخذ کریں گے اور سنت انبیاء یہ ہے کہ صبر کو انتہا تک پہنچا دیتے ہیں یہاں تک کہ بہت شاذ کے طور پر معمولی کلمات سختی کے ایسے نکلتے ہیں جو اصلاح کے لئے ضروری ہوتے ہیں۔ جذبات سے مغلوبیت کا نشان نہیں ہوتے بلکہ دشمن کو سمجھانے کی خاطر بعض دفعہ وہ سختی بھی ضروری ہو جاتی ہے چنانچہ اس سختی میں بھی حکمت ہوتی ہے اور یہ جو فیصلہ ہے کہ یہاں سختی حکمت کے مطابق ہوگی یا نہیں ہوگی یہ فیصلہ بھی ہر کس و ناکس نہیں کر سکتا اسلئے جہاں تک جماعت کا تعلق ہے جماعت کو کامل صبر سے کام لینا چاہئے لیکن اگر بے اختیاری ایسی ہو جائے کہ کچھ ہو ہی نہ سکے۔ اب ایک آدمی کو بات کرتے

کرتے کھانسی آجاتی ہے جتنا مرضی چاہے اسکو روک نہیں سکتا تو بے اختیاری سے مراد ایسی بے اختیاری ہے جو واقعۃً بے اختیاری ہے۔ آپ چاہیں بھی تو روک نہ سکیں اس میں ارادے کا دخل نہ ہو۔ اگر ایسا ہو گیا تو اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ اللہ تعالیٰ اس کو مغفرت کی نظر سے دیکھے گا عفو سے کام لے گا اس سے وَكَانَ اللّٰهُ سَمِيْعًا عَلِيْمًا ﴿۱۴۹﴾ اور اللہ تعالیٰ خوب سننے والا ہے اور خوب جاننے والا ہے۔ سننے والا اور جاننے والا ان معنوں میں کہ جو کچھ کوئی کہہ رہا ہے وہ اللہ تعالیٰ سنتا ہے اور جو کچھ تم دلوں میں چھپائے ہوئے ہو اس کے جواب میں وہ حال بھی اللہ تعالیٰ جانتا ہے اسلئے تمہیں اونچا بولنے کی ضرورت کیا ہے؟ اگر تو خدا تعالیٰ صرف سمیع ہوتا ہے تو پھر شاید تمہارے لئے ایک فکر کی بات ہوتی کہ اگر ہم نے جواب نہ دیا تو ہمارے دل کا حال خدا کو پتہ نہیں لگے گا۔ فرمایا جس طرح وہ سننے والا ہے جو ظلم تم پر ہو رہا ہے وہ تمام کا تمام اس کے علم میں آ رہا ہے اسی طرح وہ تمہارے دلوں کی کیفیات کو جاننے والا ہے۔ ان دلوں کی کیفیات پر بھی اسکی نظر ہے۔

اِنْ تُبْدُوْا خَيْرًا اَوْ تُخْفُوْهُ اَوْ تَعْفُوْا عَنْ سُوْٓءٍ فَاِنَّ اللّٰهَ كَانَ عَفُوًّا قَدِيْرًا ﴿۱۵۰﴾ (النساء: ۱۵۰)

یہاں ایک بہت ہی عمدہ مضمون ہے مومنوں کی صفات کے متعلق اِلَّا مَنْ ظُلِمَ کہنے کے بعد ان کی دل کی اصل کیفیت بیان فرما دی۔ اِنْ تُبْدُوْا خَيْرًا اَوْ تُخْفُوْهُ تم اگر خیر ظاہر کر دیا اسے چھپا لو اَوْ تَعْفُوْا عَنْ سُوْٓءٍ فَاِنَّ اللّٰهَ كَانَ عَفُوًّا قَدِيْرًا ﴿۱۵۰﴾ (النساء: ۱۵۰) بات تو ہو رہی تھی سُوْٓءٍ کی کہ خدا بری بات کے اظہار کو پسند نہیں فرماتا اِلَّا مَنْ ظُلِمَ سوائے اس کے کہ وہ مظلوم ہو اور جب مظلوموں کی بات شروع کی تو وہاں سُوْٓءٍ کا ذکر ہی کوئی نہیں کیا اِنْ تُبْدُوْا خَيْرًا اَوْ تُخْفُوْهُ اگر تم بھلائی کو ظاہر کر دیا بھلائی کو چھپا لو تو یہاں وہی بات ظاہر فرما دی گئی جو میں نے بیان کی کہ انبیاء جب بظاہر سُوْٓءٍ کی بات کرتے ہیں جواب میں تو خیر مقصود ہوتی ہے ان کی۔ ہرگز دکھ دینا ان کو پیش نظر نہیں ہوتا اس لئے ان کا اظہار بظاہر سُوْٓءٍ ہے، بظاہر سختی ہے لیکن اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ تم نے خیر کا اظہار کیا ہے۔ وہ ہیں مستثنیٰ لوگ جن کے متعلق اِلَّا مَنْ ظُلِمَ کہہ کر بظاہر یہ بتایا گیا کہ انہوں نے جواباً سختی کی ہے لیکن معاً خدا نے یہ غلط فہمی دور فرما دی ان کی سختی بھی خیر کے نتیجہ میں ہے۔ وہ بھلائی چاہتے تھے ان کی

اور جانتے تھے کہ بعض دفعہ سختی کے نتیجہ میں بھلائی پہنچ جاتی ہے۔ چنانچہ ان مواقع پر بڑی حکمت کے ساتھ جو انہوں نے اظہار کیا تو وہ دراصل خیر ہی کا اظہار ہے اَوْ تُخْفُوْهُ اور جو ان کے سینوں میں چھپا ہوا ہے وہ بھی شر نہیں ہے وہ بھی خیر ہی خیر ہے۔

دو متقابل گروہ اور ان کی صفات پیش ہوگئیں۔ ایک وہ ہیں کہ جو جب بولتے ہیں گند بولتے ہیں اور ظلم کی بات کرتے ہیں اور سختی سے حق کو دبانے کی بات کرتے ہیں اور جو ان کے سینوں میں چھپا ہوا ہے وَمَا تُخْفِيْ صُدُوْرُهُمْ اَكْبَرُ (آل عمران:۱۱۹) وہ اس سے بھی زیادہ گند ہے یعنی ان کا ظاہر بھی گند ہے اور ظلم وستم ہے اور ان کا باطن بھی گند اور ظلم وستم ہے بلکہ زیادہ گند ہے جو ان کے دلوں میں چھپا ہوا ہے۔ اسکے مقابل پر کچھ لوگ ہیں کہ کبھی اگر سخت کلامی بھی کرتے ہیں تو خیر کی خاطر کرتے ہیں اور ان کے سینے میں تو خیر ہی خیر ہے شر کا کوئی بھی پہلو ان کے سینے میں پیدا نہیں ہوتا۔ اَوْ تَعْفُوْا عَنْ سُوْٓءٍ خواہ تم اس کو چھپالو یا سوء سے کلیۃً درگزر فرمالو گویا کچھ بھی نہیں ہوا۔ اس طرح تحمل کے ساتھ برائی کے پاس سے گزر جاؤ اسی مضمون کو دوسری جگہ خدا نے فرمایا وَ اِذَا خَاطَبَهُمُ الْجٰهِلُوْنَ قَالُوْا سَلٰمًا ﴿۶۴﴾ (الفرقان:۶۴)

گویا کہ ان کے ردعمل تین ہوگئے۔ جب بولیں گے تو خیر کی خاطر بولیں گے اور خیر کی بات کریں گے ورنہ اپنے دکھ سینوں میں چھپائے رکھیں گے اور یہ علم ہوگا ان کو کہ خدا جانتا ہے کہ ہمارے دلوں پر کیا گزر رہی ہے اور اگر ان کے لئے ممکن ہو تو اس مجلس کو چھوڑ دیں گے اور جب جاہل ان سے بات کرے گا تو کہیں گے سَلٰمًا اچھا ہم رخصت ہوتے ہیں۔ اب ہماری یہاں مزید بیٹھنے کی کوئی گنجائش باقی نہیں رہی۔

فَاِنَّ اللّٰهَ كَانَ عَفُوًّا قَدِيْرًا ﴿۱۵۰﴾ (النساء:۱۵۰) ایسے لوگ اللہ تعالیٰ کو عفو پائیں گے۔ انہوں نے خدا کی خاطر عفو سے کام لیا ان کو یقین رکھنا چاہئے کہ اللہ تو ان سے بہت بڑھ کر عفو کرنے والا ہے جس کا مطلب یہ ہے کہ اس ادا کے نتیجہ میں جو خدا کو پسند آئے گی بکثرت ان کے گناہ بخشے جائیں گے۔ کتنا عظیم الشان دور ہے یہ صبر کا دور جس میں خدا کی خاطر آپ صبر سے کام لیتے ہیں اور آپ کے ماضی کے سارے گناہ اور داغ صاف دھلتے چلے جاتے ہیں اور اللہ تعالیٰ آپ کے ساتھ عفو کا سلوک فرماتا چلا جاتا ہے۔ اور فرماتا ہے قَدِيْرًا وہ قدیر ہے۔ یعنی ان حالات کو اس طرح نہیں

رہنے دے گا بلکہ ان کو تبدیل فرمادے گا اور اس بات پر قادر ہے کہ بالآخر یہ سُوٓءِ کا اظہار کرنے والے سُوٓءِ کو سینوں میں چھپانے والے اس صفحہ ہستی سے مٹادیئے جائیں گے اور خدا کے عفو کرنے والے بندے اور خیر دلوں میں رکھنے والے اور خیر زبان سے جاری کرنے والے اللہ تعالیٰ ان کو غالب فرمائے گا۔ تو یہ وہ مضمون ہے جہاں فرمایا اِلَّا مَنْ ظُلِمَ ۔یعنی لَا یُحِبُّ اللّٰہُ الْجَھْرَ بِالسُّوْٓءِ مِنَ الْقَوْلِ اِلَّا مَنْ ظُلِمَ کے متعلق میں ذکر کررہا تھا۔اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

وَلَا تُجَادِلُوْٓا اَھْلَ الْکِتٰبِ اِلَّا بِالَّتِیْ ھِیَ اَحْسَنُ اِلَّا الَّذِیْنَ ظَلَمُوْا مِنْھُمْ

جو ان میں سے ظلم کرنے والے ہیں ان کے ساتھ تم کیا سلوک کرو۔ وہ سلوک اس دوسری آیت میں بیان فرمادیا گیا جہاں اِلَّا الَّذِیْنَ ظَلَمُوْا کہ جو لوگ مظلوم ہیں ان کو کیا کرنا چاہئے؟ تو اِلَّا سے مراد وہ لوگ ہیں جو ظلم کرنے والے اور وہ سلوک ہے جس کی تفصیل یہاں بیان فرمائی اور اب پھر حسن بات کو مزید کھول کر بیان کرتا ہے اس وقتی اعراض کے بعد کہ ظلم کیا ہے اور ظالموں سے کیا سلوک تمہیں کرنا چاہئے اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ اب ہم تمہیں بتاتے ہیں کہ قول حسن کیا ہے؟ وَقُوْلُوْٓا اٰمَنَّا بِالَّذِیْٓ اُنْزِلَ اِلَیْنَا تم ان لوگوں سے کہو کہ جو کچھ خدا نے ہماری طرف نازل فرمایا ہے ہم اس پر ایمان لانے والے ہیں ۔وَمَآ اُنْزِلَ اِلَیْکُمْ تمہیں کیا تکلیف ہے ہم سے ہم تو اس وحی پر بھی ایمان لاتے ہیں جو تم پر نازل کی گئی یعنی جس پر تم ایمان لاتے ہو۔ اگر تو ہماری وحی تمہاری وحی سے اس طرح ٹکراتی کہ جو کچھ تمہارے اوپر نازل کیا گیا یعنی جس پر تم ایمان لاتے ہو اس کا ہم انکار کردیتے تو پھر ایک ٹکراؤ کی شکل تھی ۔ہم تو کلیۃً اس پر ایمان لا رہے ہیں جس پر تم ایمان لاتے ہو اس کے علاوہ جس کو ہم خدا کا کلام سمجھ رہے ہیں اس پر بھی ہم ایمان لاتے ہیں تم اس پر ایمان نہیں لاتے اس لئے اگر کوئی غصہ کا موقع ہے تو ہمارے لئے ہونا چاہئے نہ کہ تمہارے لئے ۔ہم جو تم کہتے ہو امنا و صدقنا کہتے ہیں۔ ایک ایک بات کی تصدیق کرتے ہیں کہ ہاں یہ بھی سچ ہے اور یہ بھی سچ ہے اور یہ بھی سچ ہے اور اس کے سوا جو ہم کہتے ہیں تم ہر بات پر کہتے ہو جھوٹ بولتے ہو، جھوٹ بولتے ہو، جھوٹ بولتے ہو۔ اگر عقل سے کام لیا جائے تو غصہ کا موقع تو ہمارے لئے ہونا چاہئے نہ کہ تمہارے

لئے اور عجیب الٹ قصہ ہے کہ غصہ تم کر رہے ہو اور ہم معاف کرتے چلے جا رہے ہیں وہی بات ہے کہ:

ان کو آتا ہے پیار پر غصہ
اور ہم کو غصہ پر پیار آتا ہے

یہ ہیں مومن خدا کے بندے۔ عجیب نقشہ کھینچتا ہے اللہ تعالیٰ انکا! وَ اِلٰهُنَا وَ اِلٰهُكُمْ وَاحِدٌ اور پھر یہ دیکھو تمہارا معبود اور ہمارا معبود ایک ہی ہیں۔ وَّ نَحْنُ لَهٗ مُسْلِمُوْنَ ﴿۴۷﴾ اور ہم جو اپنے آپ کو مسلمان کہتے ہیں اس ایک خدا کی طرف منسوب ہو کر اپنے آپ کو مسلمان کہتے ہیں۔ اسلام تو خدا کے ہاتھ پر لایا جاتا ہے ہم تو اپنے رب کے لئے اسلام لائے ہیں تمہیں اس کی کیا تکلیف پہنچ رہی ہے؟ تمہیں یہ تکلیف ہے کہ ہم تمہاری تصدیق کرتے چلے جا رہے ہیں، تمہیں یہ غصہ ہے کہ جو تمہارا ایمان ہے، ہم کہتے ہیں سو فیصدی درست ہے! تمہیں یہ تکلیف ہے کہ جو خدا نے نازل فرمایا ہے ہم ہر بات کو مانتے چلے جاتے ہیں اور یہ غصہ ہے کہ اس خدا کو کیوں مانتے ہو جو سب کا خدا ہے اور اس کے نام پر کیوں مسلمان ہو گئے؟ یہ تو کوئی عقل کی بات نہیں، یہ تو کوئی انصاف کی بات نہیں۔

یہ ہے حق کی تفصیل جو خدا نے بیان فرمائی۔ پہلے اپنے نفوس کو پاک وصاف کرو، عبادت کے طریق سیکھو اور عبادت میں یاد الٰہی پر سب سے زیادہ زور دو۔ اگر تم ذکر اللہ کی عادت ڈالو گے اور اللہ کو یاد کرو گے تو تم کائنات کے مقاصد میں شمار ہونے لگو گے، تم حق بن جاؤ گے اور اگر تم ایسا کرو گے تو پھر خدا تم سے یہ توقع رکھے گا کہ اس حق کو پھیلاؤ۔ کیونکہ حسن کو پھیلانا یہ مومن کی پیدائش کا مقصد ہے اور جو حسن تم نے خدا سے سیکھا ہے اسے اب دنیا میں پھیلانا شروع کر دو۔ اس کے نتیجہ میں جب تمہیں بدی ملے، نیکی کے بدلہ میں بدی سے تم سے سلوک کیا جائے تو تم پھر بھی حسن کے ذریعہ اس کا جواب دو اور پہلے سے بڑھ کر احسان کا معاملہ کرو۔ ہر برے قول کا جواب خیر کے نتیجہ میں دینا ہے، خیر کی نیت سے دینا ہے اور دل میں بھی خیر ہی رکھنی ہے۔ اگر تم یہ کرو گے اور کامل ایمان لاؤ گے پہلی کتب پر بھی اور جو بھی خدا بندوں پر نازل کرتا ہے ان پر تم ایمان لاتے چلے جاؤ گے تو یہ کوئی ایسا فعل نہیں کہ دنیا میں کسی قسم کی دلآزاری ہو سکے۔ یہ وہ طریق ہے جو ہمیشہ سے مومن اختیار کرتے چلے آئے ہیں۔ فرماتا ہے پھر تمہیں ہم یقین دلاتے ہیں کہ ایسی صورت میں خدا تعالیٰ یقیناً تمہاری

مدد فرمائے گا اور تمہیں غالب کرنے پر خدا قادر ہے۔

کس طرح حق کو غالب فرمائے گا یہ ایک الگ بڑا تفصیلی مضمون ہے۔ کیونکہ وقت زیادہ ہو رہا ہے اس لئے میں اسے چھوڑتا ہوں لیکن صرف آخری بات میں یہ کہہ دیتا ہوں خدا تعالیٰ فرماتا ہے کہ دیکھو اس نے پہلے بھی یہ واقعہ گزر چکا ہے۔

اَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِكَ رُسُلًا اِلٰى قَوْمِهِمْ فَجَآءُوْهُمْ بِالْبَيِّنٰتِ فَانْتَقَمْنَا مِنَ الَّذِيْنَ اَجْرَمُوْا ۭ وَكَانَ حَقًّا عَلَيْنَا نَصْرُ الْمُؤْمِنِيْنَ ﴿۴۸﴾ (الروم: ۴۸)

کہ دنیا میں ہم نے پہلی مرتبہ تو نبی نہیں بھیجے۔ یہ ایک لمبا دستور ہے نہ ختم ہونے والا کہ ہم انبیاء بھیجتے چلے آئے ہیں اور جب بھی اس قوم نے جن کی طرف انبیاء آئے انکار کیا فَانْتَقَمْنَا مِنَ الَّذِيْنَ اَجْرَمُوْا ۭ پھر ان ظلم کرنے والوں سے ہم نے بدلہ لیا ہے۔ وَكَانَ حَقًّا عَلَيْنَا نَصْرُ الْمُؤْمِنِيْنَ ﴿۴۸﴾ اور ہم پر حق ہے یہ بات کہ ہم مومنوں کی مدد کریں۔ اب یہاں بھی لفظ حق استعمال فرمایا اور کس طرح اس سارے مضمون کو کامل کر دیا ہے! ایک پورا دائرہ مکمل فرما دیتا ہے اللہ تعالیٰ کہ حق سے آغاز ہوا ہے کائنات کا، حق ذریعوں سے آغاز ہوا ہے، حق بنانے کی خاطر آغاز کیا گیا ہے کائنات کا۔ یہ جو زمین و آسمان روحانی دنیا کے بنائے جاتے ہیں یہ اسی لئے ہیں تا کہ تمہیں حق بنادیں اور جب تم حق ہو جاؤ گے تو پھر خدا کی اپنی ذات کی اپنے حق کی قسم کھاتا ہے کہ وہ اپنے اوپر تمہاری مدد فرض کرلے گا ناممکن ہے پھر کہ دنیا تمہیں ہلاک کر سکے۔ ہم سزا دیں گے ان کو جو تمہارے خلاف زیادتیاں کرتے ہیں اور ظلم کرتے ہیں اور ہم تمہاری مدد کو آئیں گے اور ضرور آئیں گے۔

اتنا عظیم الشان وعدہ ہو جس قوم کے ساتھ اس کے لئے آزمائش کے چند دن کیا حیثیت رکھتے ہیں اور آزمائش کے وہ دن جو دن بدن، لمحہ بہ لمحہ ان کی کیفیت بدلتے چلے جارہے ہیں اور اندھیروں سے روشنی میں نکال کر رہے ہیں اور خدا تعالیٰ سے نئی محبتیں عطا کرتے چلے جاتے ہیں اور نئے روحانی مراتب عطا کر رہے ہیں وہ ابتلا بھی احسان ہی کا رنگ رکھتا ہے جس کے آخر پر پھر یہ وعدہ ہو اور خدا حق ذات کی قسم کھا کر یہ کہہ رہا ہے کہ میں ضرور تمہاری مدد کو آؤں گا تم نے بالکل مایوس نہیں

ہونا۔ ایسے لوگوں کے لئے مایوسی کا کیا سوال یا کسی شکوہ کی کون سے گنجائش ہے؟

اس لئے جماعت احمدیہ کی طرف سے تو اپنے رب کے حضور سوائے اسکے کوئی آواز نہیں اٹھ سکتی کہ اے ہمارے آقا! تیرا ابتلا بھی ایک احسان ہی ہے جس کا ہم جتنا چاہیں شکر ادا کریں مگر ہم حق ادا نہیں کر سکیں گے اور ہمیں جو اس کام کے لئے تو نے چن لیا ہے یہ بھی تیرا احسان ہے ورنہ ہم حق دار نہیں تھے اور اس کے نتیجہ میں تو فرماتا ہے کہ ہم تمہاری مدد اور تمہاری نصرت کو آئیں گے اے خدا! ہم تو کسی چیز کے بھی حق دار نہیں۔ تو ہی حق ہے، تیرے ہی بنا پر ہم نے حق کی ادائیں سیکھیں اور ہماری غفلتوں سے پردہ پوشی کے بھی تو نے ہی وعدے فرمائے اور عفو کے طریق بھی ہمیں سکھائے اور پھر عفو کا سلوک بھی ہم سے فرمایا۔ پس جو کچھ ہے تو ہی تو ہے ہم تو کوئی حقیقت نہیں رکھتے۔

ع حق تو یہ ہے کہ حق ادا نہ ہوا

(دیوان غالب صفحہ: ۶۵)

اس سے بہتر مومن کے دل کی اور کوئی آواز خدا کے حضور نہیں اٹھ سکتی۔